نومبر میں سالانہ اجتماع کی مناسبت سے

مولانا عبد القیوم حقانی

تبلیغی جماعت

ایک عالمی، اسلامی انقلابی تحریک

ہر سال نومبر میں عالمی، اصلاحی، اسلامی اور انقلابی تحریک، تبلیغی جماعت کے زیرِ اہتمام رائے ونڈ میں سالانہ اجتماع منعقد ہوا کرتا ہے، اس سال بھی حسبِ معمول ۹، ۱۰، ۱۱ نومبر کی تاریخیں اجتماع کے لیے مقرر کر دی گئی ہیں۔

اجتماعی، بھر خاص کر قومی و ملی، دینی اور اصلاحی و تبلیغی کاموں کا تجربہ رکھنے والے احباب سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ انتشار و افتراق، مادیت کی یلغار اور نفسانیت و انانیت سے مغلوب موجودہ معاشرہ میں کوئی اجتماعی کام کرنا کتنا مشکل، جان سوز، دلگداز اور صبر آزما ہوتا ہے۔

پھر جب کام بھی ایسا ہو جو زمانہ کے رواج، نئے دور اور نئے اطوار اور تہذیبِ جدید کے فیشن سے بالکل مختلف ہو، نیز اس میں ظاہری کشش کے وہ سامان بھی نہ ہوں جو موجودہ زمانہ میں عام طور پر جاذبِ نظر ہوا کرتے ہیں، نہ پوسٹر ہوں نہ اشتہار، نہ ریڈیو میں خبر آئے اور نہ اخبار میں تصویر، ٹیلیویژن والے ٹیلی کاسٹ کریں تو انہیں بھی منع کر دیا جائے ـــــ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی دعوت و مطمحِ نظر اور اس کی پکار ایسی عام اور آغوش ایسی کشادہ ہو کہ ہر کلمہ گو بلکہ ہر ابنِ آدم کو سما لینے کا حوصلہ ہی نہیں مضبوط ارادہ اور پیہم کوشش بلکہ اس کی تمامتر مساعی کا ہدف بھی یہی ہو۔

چنانچہ اس کے کارکنوں میں میوات کے اُمّی اور اَن پڑھ دیہاتیوں سے لے کر امریکہ اور یورپ کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ تک لاکھوں بلکہ کروڑوں افراد اپنی اپنی صلاحیتوں اور خداداد استعداد کے جوہر دکھا رہے ہوں اور جس کی راہ میں حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، اہل حدیث، عرب و عجم، گورے اور کالے سب اپنی اپنی بساط کے مطابق قربانیاں دے رہے ہوں۔

اپنے ذاتی مفادات، مصالح اور باہمی اختلافات بھلا کر بقول مولانا محمد یوسفؒ کے "امت پنا" حاصل کرنے کی کوشش میں اپنی تمام صلاحیتیں کھپا رہے ہوں ـــــ اور جس کا دائرہ کار اور حلقۂ عمل اتنا ہی وسیع

ہو جتنا کہ اس کرۂ ارض کا ـــــ تو ایسے کام کو سنبھالے رکھنا، حکمت ومصلحت اور نظم و تدبیر سے آگے بڑھاتے رہنا۔ پھر اس کے مخصوص مزاج، اس کے اصول و قواعد، اس کے منفرد انداز اور طریق کار کو سلامت رکھنا، جدید دور کی مؤثر اور چنگھاڑتی ہوئی تحریکوں کی بھیڑ میں اسے گم نہ ہونے دینا، مختلف ذہنوں، مختلف فکروں، مختلف سوچوں اور مختلف ماحولوں کے پروردہ اور گوناگوں افکار و خیالات کے حامل لوگوں کے اشکالات کو دور کرکے، ان کے اعتراضات کو حوصلہ کے ساتھ سنکر ان کو تسلی بخش جواب اور تشفی سمیت ایک مخصوص رنگ میں انہیں رنگنا ـــــ پھر مزاجوں کے اختلاف کی ضروری حد تک رعایت کے ساتھ سب کو مشترکہ مقصد کے لیے استعمال کرنا اور مختلف صلاحیتوں پر نظر رکھ کر انہیں پروان چڑھانا، یہ اور اس طرح کے بے شمار پہلو ہیں جن کی وجہ سے ایسے حساس، انقلابی اور ہر لحاظ سے خالص دینی اور ہمہ گیر کام کی قیادت عملاً انتہائی مشکل اور اس کا بار انتہائی گراں ہو جاتا ہے بلکہ واقعہ بھی یہ ہے کہ ؎

؎ اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

عام لوگ اور دنیا میں پھیلی ہوئی مختلف تحریکوں کے ذمہ دار حضرات عموماً یہ سوال کر بیٹھتے ہیں کہ آخر اس تحریک کی کامیابی کا راز کیا ہے؟ نہ پروپیگنڈہ ہے نہ میکیاولی طرز سیاست کے جھوٹے ہتھکنڈے، نہ جدید ذرائع ابلاغ کے وسائل اور نہ ان کی آفر کے باوجود استعمال و تشہیر کی اجازت پھر بھی کام آگے بڑھ رہا ہے۔ ساٹھ سال سے زائد ہونے کو ہیں مگر اس جماعت میں تاہنوز کسی اختلاف اور باہمی منازعت اور جتھے بندی کی نوبتیں نہیں آئیں؟

اس کا جواب وہی حضرات دے سکتے ہیں اور سمجھ بھی وہی سکتے ہیں جن حضرات کو علمی اور مطالعاتی ذوق سے حصہ وافر عطا ہوا ہو، اگر زیادہ نہیں تو کم از کم امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی "ازالۃ الخفاء"، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی "صراط مستقیم" اور "منصب امامت" کے مطالعہ سے بہرہ ور ہو چکے ہوں تو وہ بآسانی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ مولانا محمد الیاسؒ کی دعوت و تبلیغ، اس کی قیادت اور طرز فکر و تفہیم کا سرچشمہ محض ذہانت، مطالعہ، وسعت علم اور کسی خاص فلسفہ و تحریک یا صورتحال کا ردِ عمل نہ تھا بلکہ ان کا سرچشمہ کثرت عبادت و انابت، دعا، قرآن مجید میں عمیق تدبر، سیرت نبوی کا عاشقانہ مطالعہ، مخلصانہ تتبع، اجتباء اور ہدایتِ ربانی تھا۔

اور اگر قرآنی اور اسلامی نقطہ نظر سے اس تحریک کی بنیاد، طریق کار، لائحہ عمل اور مساعی کے اہداف پر غور کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ کوئی نیا کام ہرگز نہیں۔ دعوت ہی اس امت مسلمہ کی اساس ہے، دعوت اس امت کا شعار و پیغام اور یہی اس کی افادیت ہے، یہی اس کی زندگی اور

کامرانی کی شرط ہے، اس اُمت کا عہدِ رسالت مآبؐ میں بھی اسی طرح تعارف ہُوا تھا ـــــ اگر آج قریشِ مکہ کے مُردے اور بدر و اُحد کے مقتولین زندہ ہو جائیں اور مسلمانوں سے پوچھیں کہ تمہارا وہ امتیاز اور مقصدِ زندگی کدھر گیا جس کو لے کر تم دنیا میں آئے تھے، جو تمہارے خیرِ اُمت ہونے کی اصل وجہِ شرافت تھی اور دنیا طلبی، عیش کوشی، مصلحت پرستی، تن آسانی، بے اصولی اور بے ضمیری میں ہمارے اور تمہارے درمیان کونسا بڑا فرق ہے ؟ ـــــ تو کیا ہمارے پاس اس کا کوئی جواب بن پڑے گا ؟

تبلیغی جماعت کے کارکنوں کی نقل و حرکت پر بعض بزعمِ خود، جہادِ انقلاب کے مُدعی بعض اوقات یہ پھبتی کستے ہیں کہ تبلیغی جماعت نے اب تک انقلاب لانے میں کون سا کارنامہ سرانجام دیا ہے ؟ تو گذارش ہے کہ اوّلاً تو تبلیغی جماعت مروجہ طرزِ سیاست اور طریقِ انقلاب کو نہ اسلامی سمجھتی ہے اور نہ اسے اپناتی ہے اور نہ بلند بانگ دعوؤں، اعلانات اور بے جا شور و غل پر یقین رکھتی ہے۔ اس کے ہاں طریقِ انقلاب میں ریاکاری اور موجودہ سیاست کاری کی کوئی اہمیت نہیں۔ وہ صرف اور صرف حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور وفاداری کو اسلامی انقلاب کا ہدف قرار دیتی ہے، جب تک افراد کی اصلاح نہ ہو جماعت اور معاشرہ کی پاکیزگی ناممکن اور غیر فطری ہے۔

تبلیغی جماعت کی نقل و حرکت کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہی بات سامنے آئے گی کہ اس کے دینی و اصلاحی فوائد، نمازوں میں ترقی، ذکر و شب بیداری کی توفیق، منکرات سے اجتناب کے ساتھ ساتھ عامۃ المسلمین کو اس کے اور بیش قیمت فوائد حاصل ہوئے جن میں سادگی، قناعت، جفاکشی، کفایت شعاری، ربط و تعارف، اکابر علماء اور مصلحینِ اُمت سے ذاتی تعلق، اپنی کمزوریوں کا علم، عوام کی دینی پسماندگی اور اُن کی جہالت کا علم اور اہلِ اسلام بالخصوص دینی قوتوں کی ذمہ داری کا احساس پیدا ہُوا۔

اس کے برعکس مادیت، جدید تہذیب اور دین سے قطع نظر خالص سیاسی، قومی، علاقائی اور لسانی بنیادوں پر اٹھنے والی تحریکوں نے قوم و ملت کو کیا دیا ؟ ـــــ قومی سیرت کی باصلاحیت قوتوں کو کمزور اور ان کے خطرناک نتائج و ثمرات سے ملت کو دوچار کر دیا گیا ہے۔ اصول اور اخلاق پر ذاتی منافع اور گروہی مصالح کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ عالمگیر اور اصولی حریف (یورپ اور یورپین تہذیب) کے چیلنج کو قبول کرنے اور اس کے مقابلہ سے مجرمانہ غفلت قومی قیادت کا شعار بن چکا ہے، بے عملی اور بزدلی پوری قوم کے رگ و پے میں رچ بس چکی ہے اور قوم و ملت کے بعض سنجیدہ افراد اور عظیم تر قوتیں بھی قومی و لادینی قیادت کی غیر مشروط اطاعت پر بگٹٹ چل پڑی ہیں! اور پھر ملک کی تازہ ترین صورتِ حال کا جائزہ لیں تو تقاریر اور خطابات میں جذبات کے اظہار، نراجیت پسندی اور مخالفت میں ابتذال و اشتعال کی کسی بھی شنیع سے شنیع

حرکت کو بھی عیب نہیں سمجھا جا رہا۔

بے عملی اور بزدلی کا یہ عالم ہے کہ بڑے بڑے سمجھدار لوگ بھی شماتت (دشمن کی مصیبت پر خوشی) پر اُتر آتے ہیں، تربص ودوائر (زمانہ کی گردشوں کا انتظار) ان کا شیوہ بن گیا ہے۔ اخلاقی طاقت اتنی کمزور ہو گئی ہے کہ دوسروں کی جرأت وجانبازی اور قربانی کا اعتراف بھی نہیں کر سکتے۔ حقیقت پسندی محض الفاظ تک محدود ہے۔ مسلمانوں کو اپنے آپ سے مایوسی، اعتماد علی الغیر اور اپنی کمزوریوں کا ضرورت سے زیادہ احساس، دوسروں کی طاقت کا ضرورت سے زیادہ اندازہ اور اقلیت واکثریت کے مسائل سے شب وروز کا یہ انہماک، یہ سب مغربی تہذیب، تعلیم جدید، لادینیت اور انگریزی ومغربی طرزِ سیاست کا نتیجہ ہے، جو مسلمانوں کو ایک جامد قوم دیکھنے کی عادی ہے۔

کاش! ارباب دین ودانش، ارباب علم وعقل اور اہل فکر وشعور اپنے ماحول، سوسائٹی، مقاصد، متعلقات، گروہی وجماعتی اور سیاسی حجابات کی گرفت سے نکل کر اپنے زمانے میں ہونے والے تبلیغی جماعت کے اس عظیم اور مؤثر اور عملاً واقعتہً اسلامی وانقلابی کام کو قریب سے دیکھنے کی ضرورت محسوس کریں اور غور کریں کہ آخر وہ کون سی طاقت ہے جس کے سہارے یہ لوگ ایسے نشاط، ایسی ہمت اور ایسے استقلال کے ساتھ اتنا بھاری بوجھ، عظیم ذمہ داری بظاہر اپنے ناتوان اور کمزور کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔

بعض اوقات تو یہ بھی سوچنا پڑتا ہے کہ اگر یہی کام، یہ اصلاح وتربیت اور یہ دعوت وتبلیغ کا مشن اور تحریک اپنے موجودہ نقائص اور بعض واقعی کمزوریوں کے ساتھ ماضی میں اور کہیں ہوا ہوتا ——— اور ہماری تاریخ جو ہمارے اسلاف اور اسلام کے داعیوں کی پُرعزیمت کوششوں کے تذکرہ سے بھری ہوئی ہے، تو ہم اسے پڑھ پڑھ کر جھومتے، سر دھنتے اور داد دیتے اور حسرت سے سوچتے کہ کاش! ہم بھی اس دور میں ہوتے اور نہ جانے کس کس طرح اپنے تاثر کا اظہار کرتے؟

مگر افسوس کہ ہمارے اپنے زمانہ میں، ہمارے بہت ہی قریب اور بالکل ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے درمیان ایک کام ہو رہا ہے جو بہت قابلِ قدر، انقلابی نتائج وثمرات کا حامل اور بہت ہی محبت کے قابل ہے۔ ہماری تھوڑی سی توجہ، تھوڑی سی محنت اور تعاون ونصرت اس کی رفتار کو تیز تر کرنے، مؤثر بنانے، اس کے نقائص کو دور کرنے اور اس کی روشنی کو جِلا دینے میں زبردست مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

لیکن اس کے باوجود ہم میں سے بہت سے لوگ اور بڑے ذمہ دار لوگ اس عظیم کام سے بھی ایک عجیب قسم کی بے رُخی کا رویہ اپنائے رکھنے کو کافی سمجھے ہوئے ہیں۔ بسا اوقات ایسے حضرات سے سابقہ بھی پڑتا ہے جو بڑی دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ کام کی اہمیت، اس کی ضرورت اور اس کے انقلابی اثرات

اور ثمرات کے اعتراف کے باوجود اپنے تعلق اور دردمندی کا اظہار صرف تنقید اور تنقیص ہی کے ذریعہ کرنا چاہتے ہیں، اور یہ بھی ایک فیشن بن گیا ہے۔ ایسی باتوں سے بڑا دکھ ہوتا ہے اور بعض اوقات اُن سے احتجاج کرنے کو جی پھڑک اٹھتا ہے۔

أقلوا علیهم من اللوم لا أبا
لکم وسدوا المکان الذی سدوا

"میرے محبوب پر تنقید کا سلسلہ کچھ کم کر دو یا پھر وہ کام کر کے دکھاؤ جو اُس نے کیا ہے"۔

ہمیں یہ دعوٰی ہی نہیں کہ جماعت کے کارکن ابن تیمیہؒ، قاسم نانوتویؒ، حسین احمد مدنیؒ، ابوالکلام آزادؒ، اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہیں، بلکہ ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ جماعت میں اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو جماعتی نظام ہی میں آ کر دین کی تعلیم اور پیغام سے آشنا ہوتے ہیں، اور یہ بھی اعتراف ہے کہ کام کرنے والوں سے غلطیاں بھی ہو رہی ہیں اور بہت زیادہ ہو رہی ہیں۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہی غلطیاں ہی سبب ہیں کہ ہزاروں قیمتی صلاحیتوں کے حامل افراد کام کی طرف ابھی تک کما حقہٗ اپنی توجہ مبذول نہ کر سکے۔ کام تیزی سے پھیل رہا ہے، کام کی طرف منسوب لوگوں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے، ان کی نگرانی اور تربیت کا کام مشکل تر ہوتا جا رہا ہے تو کیا اہل علم، ذمہ داران ملت اور دینی فکر اور دعوت کے غلبہ کی فکر رکھنے والے ارباب دین و دانش کام کو آگے بڑھانے اور اصلاح و انقلاب کے اس عظیم مشن میں سرپرستی فرمانے کی زحمت فرمائیں گے؟

اس موقع پر اپنے اُن احباب، دوستوں اور ساتھیوں سے بھی یہ عرض کرنا ہے جو اس عظیم کام کی طرف منسوب ہیں کہ خدارا! ہم لوگ بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں اور خود اپنا محاسبہ اور اپنا اپنا دیانتدارانہ جائزہ لیں۔ ہمیں اعتراف کرنا چاہیئے کہ ہمارے اخلاق اور دعوت و تبلیغ میں وہ کشش نہیں جو غیروں کو اپنا لے، ہمارے معاملات میں وہ پاکبازی نہیں جو دلوں کو ہماری محبت سے بھر دے۔ ہمارے ظروف میں تنگی اور دلوں میں بدستور گھٹن ہے۔ ہم صرف اسلامی رشتے سے محبت و اکرام کا سبق اب تک نہیں سیکھ سکے۔ ہم نفسانیت انانیت، تکبر، ریا، عجب اور حسد جیسے رذائل سے ابھی تک چھٹکارا نہیں پا سکے —— اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ لوگوں کو ہم سے شکایتیں ہیں —— لوگ ہم سے اچھی توقعات وابستہ کرتے ہیں اور پھر ہمارے طرز عمل سے انہیں مایوسی ہوتی ہے —— اس لیے مسئلہ کا سرا در اصل ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔ ہم جو کچھ سنتے اور کہتے ہیں سنجیدگی سے اس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے والے بھی بن جائیں تو انشاء اللہ بڑی حد تک مسئلہ حل ہو جائے۔